تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۱)

علیکم من الحدیث بما کان فی عہد عمر فانہ قد اخاف الناس فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرۃ الحفاظ)

لوگو ان ہی حدیثوں کو قبول کرو، جو عمر کے زمانے کی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حدیثوں کے بیان کرنے پر عمر نے لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اکثار یعنی بہ کثرت حدیثوں کی روایت سے ممانعت کی صرف یہ توجیہ کہ زیادہ روایت کرنے والوں سے احتیاط کی توقع جیسی کہ چاہئے نہیں کی جا سکتی عام حالات میں تو یہ صحیح ہے مگر مجھ ہی سے آپ سن چکے ہیں کہ صحابہ میں بھی اور صحابہ کے بعد بھی محدثین میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا جاتا تھا جن کی یادداشت اور حافظہ کی قوت کا تجربہ کیا گیا۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ دو تین نہیں بلکہ سیکڑوں حدیثیں ان بزرگوں کو اس طریقہ سے یاد تھیں کہ سال سال بھر کے بعد ان سے دوبارہ پھر وہی حدیثیں پوچھ کر لکھی گئیں اور پہلے لکھائے ہوئے مسودے سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کی کمی بیشی نہیں پائی گئی۔ آخر جن لوگوں کو اپنی روایتوں پر اتنا اعتماد ہو جیسا کہ ابو زرعہ کے حال میں گذر چکا کہ قسم کھانے والے نے یہ قسم کھائی کہ ابو زرعہ کو ایک لاکھ حدیثیں اگر زبانی یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق پڑ جائے پھر ان ہی سے دریافت کرنے آیا، جواب میں ابو زرعہ نے کہا تھا کہ اطمینان سے تو اپنی بیوی کو اپنے

پاس رکھو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان کی کیفیت اور کیا ہو سکتی ہے۔

میں یہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی روایتوں کے متعلق جن کے اطمینان کی یہ حالت ہو، آخران کو کثرتِ روایت سے روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یاد رکھنے والوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے حضرت عمرؓ بھی لوگوں سے یہی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے میری باتوں کو یاد رکھا ہے، چاہیئے کہ وہ ان کو دوسروں تک پہنچائیں حافظ ابن عبدالبر نے حضرت عمر ہی کے حوالہ سے ان کا ایک قول حدیثوں کی روایت کے متعلق نقل کیا ہے، یعنی قیس بن عباد کہتے تھے

سمعت عمر بن الخطاب	میں نے عمر بن الخطاب سے سنا کہ جس نے
یقول من سمع حدیثا فادا ہ	حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو اس نے ادا
کما سمع فقد سلم (ص۱۲۳ ج۲ جامع)	کر دیا تو وہ محفوظ ہو گیا (یعنی روایت کی ذمہ داری کو اس نے پورا کر دیا)

ظاہر ہے کہ حضرت کے یہ الفاظ عام ہیں، ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جن کی روایتوں کی تعداد قلیل ہو، اور ان کو بھی جن کی روایتوں کی تعداد کثیر ہو، شرط صرف یہ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ اس نے سنا ہو اسی کو اگر وہ بیان کر رہا ہے تو اپنی ذمہ داری اس نے پوری کر دی۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے متعلق جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان لوگوں میں
علیہ وسلم ممن ینظر الیہ ویوخذ	ہیں جن کی طرف دیکھا جاتا ہے اور ان سے دین
عنہ ص۱۲۴ ج۲ جامع بیان العلم	کو اخذ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ انہی کا بیان ہے اور نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں، رسول اللہ کے اصحاب کے متعلق جس کا یہ خیال ہو اور انہی صحابۂ کرام کی باتوں کو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں جو اہمیت حاصل

ہو سکتی تھی اسی کا اظہار بار بار مختلف مواقع میں جو بایں الفاظ کرتا ہو کہ۔

انتم معاشر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم متی ما تختلفون یختلف من بعدکم ص ۹۸ ازالۃ الخفا ج ۲	تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو، جب تم ہی لوگ اس میں اختلاف کروگے تو جو تمہارے بعد آنے والے ہیں وہ بھی باہم مختلف ہو جائیں گے۔

جو ان ہی صحابیوں کو خطاب کرکرکے یہ پیشین گوئی کرتا ہو کہ

انتم اصحاب بدر وقد اختلفتم فمن بعدکم اشد اختلافاً ص ازالۃ الخفا ج ۲	تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابیوں میں ہو جو بدر میں شریک تھے تم ہی جب اختلاف کررہے ہو تو تمہارے بعد جو ہوں گے وہ زیادہ اختلاف کریں گے۔

کیا اسی فاروقی بصیرت سے یہ امر مخفی رہ سکتا تھا کہ ان ہی صحابیوں میں خبر آحاد کی حدیثیں عام طور پر مشہور و معروف ہو کر عمومیت کا رنگ جب اختیار کرلیں گی تو آئندہ نسلوں میں یہی رنگ کتنا سخت اور گہرا ہوتا چلا جائے گا اور دین کے اس حصہ کی تبلیغ میں خاص روش پیغمبر نے قصداً جس مصلحت سے اختیار کی تھی اس مصلحت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہی ہے کہ منجملہ دیگر مصالح و وجوہ کے اقلال روایات پر حضرت عمرؓ کے اصرار کا ایک راز یہ بھی تھا ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ نے قرظہ والی روایت جس میں اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایتیں رسول اللہ سے کم بیان کرنا کی وصیت کو ذرخصت کرتے ہوئے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی، اسی روایت کو الدارمی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے دارمی کا ایک تشریحی فقرہ جو اس حدیث کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا یہ بھی درج کیا ہے۔

قال ابو محمد (ھو الدارمی) معناً	ابو محمد (یعنی دارمی) نے کہا کہ میرے خیال میں حضرت عمرؓ

عندی الحدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس السنن والفرائض ص۱۴۱ — کہ اس قول کا یعنی اقلال روایت پر اصرار کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام کی حیثیت سنن اور فرائض کی نہیں

الدارمی کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ افسوس ہے کہ اس کی تفصیل کا صحیح مقام "تدوین فقہ" والی کتاب ہو سکتی ہے، تاہم مختصراً یہاں بھی اتنا اشارہ نامناسب نہیں ہوگا کہ "البینات" میں نے دین کے جن عناصر و حقائق کا نام رکھا ہے اس کی تعریف تو پہلے کر چکا ہوں لیکن مصداقاً قرآنی مطالبات اور ان کے عملی تشکیلات ان کے اہم اجزاء ہیں مثلاً اقیموا الصلوٰۃ میں الصلوٰۃ کا مطالبہ قرآن میں کیا گیا ہے، لیکن "الصلوٰۃ" کی عملی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی، میرے نزدیک الدارمی کے مذکورہ بالا الفاظ میں فرائض سے قرآنی مطالبات اور سنن سے ان ہی فرائض کی عملی شکلیں مقصود ہیں کچھ یہی نہیں بلکہ عام طور پر حدیثوں میں فرائض کے بعد سنن کا لفظ جہاں جہاں آیا ہے میں تو اس کا مطلب یہی سمجھتا ہوں مثلاً حضرت ابوموسیٰ جب کوفہ کے والی حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تو اس وقت آپ نے تقریر کرتے ہوئے یہ جو کوفہ والوں سے فرمایا تھا کہ

بعثنی الیکم عمر بن الخطاب ا علمکم کتاب ربکم وسنت نبیکم ازالۃ الخفاء ص۲۱۵ ج۲ — مجھے تم لوگوں کے پاس عمر بن الخطاب نے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رب کی کتاب (قرآن) تمہیں سکھاؤں اور تمہارے رسول کی سنت کی تعلیم تمہیں دوں

تو کتاب کے بعد سنت کا جو لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ کتابی اور قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات ہی کی طرف اشارہ ہے حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے جب یہ مطالبہ پیش کیا کہ

لا تحدثونا الا بالقرآن — قرآن کے سوا ہمارے سامنے اور کچھ نہ بیان کرو۔

تو یہی "سنن" تھے جن کو پیش کرتے ہوئے آپ نے سمجھایا تھا کہ ان "سنن" یا عملی طریقوں

کے بغیر قرآنی احکام کی تعمیل کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے ۔ روایت میں ہے کہ جس شخص نے کہا تھا کہ قرآن کے سوا اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کیا جائے حضرت عمران نے اس سے کہا کہ میاں ادھر میرے قریب آ جاؤ جب وہ آپ کے پاس آ گیا تو آپ نے اس کو سمجھانا شروع کیا پہلے آپ نے الصلوٰۃ ہی کو لیا جس کا بار بار قرآن میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے پوچھنا شروع کیا۔

ارأیت لو وکلت وانت اصحابک	تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رفقا ہیں
الی القرآن اکنت تجد فیہ	صرف قرآن ہی پہ ٹیک لگا لیں گے، تو کیا قرآن
صلاۃ الظہر اربعاً وصلاۃ	میں پا سکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعتوں پر اور عصر
العصر اربعاً والمغرب ثلاثا	کی بھی چار اور مغرب کی نماز تین رکعتوں پر مشتمل ہے

پھر آپ نے تمثیلاً حج کا ذکر کیا اور فرمانے لگے

ارأیت لو وکلت انت واصحابک	تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نوا رفقا ہیں صرف
الی القرآن اکنت تجد الطواف	قرآن ہی پر ٹیک لگا لیں گے تو تم قرآن میں پا سکتے
بالبیت سبعاً والطواف بالصفا	ہو کہ بیت اللہ (کعبہ) کا طواف سات دفعہ کرنا چاہیئے
والمروۃ	اور صفا و مروہ کا طواف بھی سات دفعہ کرنا چاہیئے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے حج کے متعلق یہ بھی پوچھا تھا کہ

والموقف بعرفۃ ورمی الجمار	عرفات میں وقوف (قیام) اور رمی جمار کے مسئلہ کو کیا قرآن میں تفصیلاً پا سکتے ہو (شاید عرفات کی جگہ مزدلفہ کا لفظ ہو کیونکہ عرفات کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے مترجم)

یا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قرآن میں اسلامی حکمرانوں کو جو ذمہ دار بنایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ

والید من این تقطع امن ھٰھنا	اور ہاتھ کس طریقہ سے کاٹا جائے کہاں سے یہاں
او من ھٰھنا	سے یا وہاں سے ۔

راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے گٹے پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہاں سے پھر کہنی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ کیا یہاں سے ؟ پھر کندھے کے قریب ہاتھ لے گئے اور پوچھا کہ کیا یہاں سے ؟

بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت اس مسئلے کے تفصیلات میرے پیش نظر نہیں ہیں تفصیلات کے لئے کتاب "تدوین فقہ" کا مطالعہ کیجئے، یہاں مجھے الدارمی کے ان الفاظ کی شرح مقصود ہے جن کا حضرت عمرؓ والی روایت کے اندراج کے بعد انھوں نے اضافہ کیا ہے یعنی "فرائض اور سنن" کے متعلق انفال کا یہ حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا تھا بلکہ "الحدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے آپ کے اس حکم کا تعلق ہے یہ بتانا چاہتا تھا کہ ایسے موقعوں پر "سنن" کا لفظ "فرائض" کے بعد جب بولا جاتا ہے تو مراد ان سے قرآنی فرائض و مطالبات کی عملی شکلیں ہوتی ہیں اور یہی وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی اشاعت میں تو عمومیت ہی مقصود ہے پھر ان کے متعلق "اقلال" کا حکم حضرت عمرؓ کیسے دے سکتے تھے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے یا آپ کے سامنے کرنے والے جو کچھ کرتے تھے یا ان ہی دنوں میں بجائے عام امت کے خاص خاص افراد سے جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں یا خاص لوگوں نے آنحضرت کو کچھ کرتے دیکھا تھا الغرض عہد نبوت کی وہی چیزیں جن کی عمومی اشاعت پیغمبر کی طرف سے مسلمانوں میں نہیں کی گئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے الدارمی کے ایام کے لفظ سے یہی مطلب ہے جیسا کہ میں یہی کہتا چلا آرہا ہوں، امام بخاری نے بھی اس قسم کی حدیثوں کی تعبیر قریب قریب ان ہی الفاظ سے کی ہے انھوں نے بھی اپنی مرتبہ کتاب صحیح بخاری کا یہ نام جو رکھا ہے یعنی

"الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ"

میں نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ "امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایامہ" یہ ان ہی حدیثوں کی تو تعبیر ہے جنہیں اپنی کتاب میں امام نے جمع کیا ہے۔ الدارمی اور

لے الکفایہ خطیب صفحہ ۱۲۶

بخاری میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایام کے ساتھ "امور" کا اضافہ بھی امام بخاری نے کیا ہے اور الدارمی نے صرف "ایام" کے عام اور حاوی لفظ کو کافی خیال کیا بظاہر یہ ایک قسم کی اصطلاح معلوم ہوتی ہے، گویا "خبر آحاد" کی ایک تعبیر یہ بھی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دہی بات یعنی دین کا بنیاتی حصہ غیر بنیاتی چیزوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے، دونوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے جو یہ طریقہ فرمایا تھا کہ ایک کی تبلیغ و اشاعت میں عمومیت کا رنگ جس حد تک پیدا ہو سکتا تھا اس کے پیدا کرنے پر پورا زور صرف کر دیا گیا، اور گو پہنچانے کی حد تک پہنچا تو دیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شعبے کو بھی لیکن اس کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں اس امتیاز کے باقی رکھنے پر زور دیا اور یہی غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان تدبیروں سے تھی، جن کا انتساب روایتوں میں ان کی طرف کیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی ازالۃ الخفاء میں حدیثوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے خدمات کی تفصیل کرتے ہوئے منجملہ دوسرے مصالح کے ان روایات کا ایک مطلب یہ بھی قرار دیا ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں

باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیراں مصروف می ساخت۔۔۔الخ

اچھی طرح چھان بین تلاش و تفتیش سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فاروق اعظمؓ کی دقیق نظر حدیث کے دونوں حصوں میں امتیاز پیدا کرنے پر جمی رہی یعنی وہ حصہ جس سے شرائع کی تبلیغ اور انسانی افراد کی تکمیل سے تعلق تھا اس میں مشغول رکھ کر دوسرے حصہ میں انہماک سے لوگوں کو روکتے تھے

"تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر" کے الفاظ سے جیسا کہ ظاہر ہے قرآنی مطالبات کی عملی تشکیلات ہی کا تعلق ہے گویا الدارمی نے "سنن" کے لفظ سے جس مقصد کو ادا کیا تھا شاہ صاحب نے

زیادہ واضح الفاظ میں ان ہی کی تعبیر کی ہے اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ

لہٰذا احادیث شمائل و احادیث سنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد صد ۱۴۱ ج ۲ ازالۃ الخفار	اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل شکل وصورت سے جن حدیثوں کا تعلق تھا اور سنن زوائد یعنی قرآنی مطالبات کی عملی تشکیلات کے سوا حدیثیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس وعادات سے تعلق ہے حضرت عمرؓ اس قسم کی حدیثوں کو کم بیان کرتے تھے۔

ان روایتوں کو حضرت عمرؓ خود بھی کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ ان کا زیادہ چرچا نہ کریں یعنی وہی اقلال روایت کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ

انہا از علوم الکلیفیہ تشریعیہ نیست تحمل کہ چوں اہتمام تام بروایت آں بکار برند بعض اشیاء از سنن زوائد بہ سنن ہدی مشتبہ گردد صد	چوں کہ ان حدیثوں کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن کا مکلف لوگوں کو بنایا گیا ہے اور عام تشریعی قانون کی حیثیت ان کی نہیں ہے اس لئے اس کا احتمال تھا کہ اگر زیادہ توجہ ان کے بیان اور اشاعت کی طرف کی جائے گی تو سنن زوائد اور سنن ہدیٰ باہم ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ خلط ملط ہو جائیں گے

دارمی یا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کے پیش کرنے سے میری غرض یہی ہے کہ "اقلال روایت" کی جو وجہ میں نے بیان کی ہے، یہ میرا کوئی انفرادی خیال نہیں ہے، بلکہ ارباب تحقیق نے دوسرے مصالح و وجوہ کے ساتھ مختلف الفاظ میں مجھ سے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے کچھ بھی ہو خبر آحاد والی روایتوں کے متعلق خدمات میں سے ایک خدمت جو ہو سکتی یعنی عمومیت کی ایسی کیفیت ان میں نہ پیدا ہونے پائے جس کی وجہ سے دین کے بنیادی حصہ کے مطالبوں کی جو قوت ہے کہیں اسی قوت کو لوگ اس میں محسوس نہ کرنے لگیں، جیسے عہد نبوت

میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نگرانی فرمائی اور گو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وقت ہی کیا ملا، لیکن جتنا وقت بھی ملا، جہاں دوسرے فرائض آپ نے ادا کئے وہیں اس کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول رکھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو اپنے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں ہم ان کو بھی اس مسئلہ کی طرف متوجہ پاتے ہیں، بعد کو کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آئندہ آرہا ہے، لیکن اس سے پہلے ان ہی حدیثوں کی وجہ سے قدرتاً معلومات میں لوگوں کے اختلاف کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اختلاف کو اختیاری وارادی مخالفت کے قالب میں ڈھلنے سے جیسے روکا تھا میں چاہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں جو کارروائیاں کی ہیں پہلے ان کا تذکرہ کروں

اس قسم کے مسائل میں بعض چیزوں کے متعلق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے دونوں پہلوؤں کے جواز اور تصحیح کی آپ نے کوشش کی ہے مثلاً نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ یا رکوع میں نماز سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں، یعنی وہی رفع الیدین کا مشہور خلافیہ یا اور اسی قسم کے متعدد مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں طرح کی روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان مختلف روایات کو درج کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ حضرت عمرؓ دونوں پہلوؤں کے جواز کے قائل تھے مثلاً رفع الیدین کے اختلافی روایات کے ذکر کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

والاوجه عندي ان عمر رأى	میرے نزدیک سب سے زیادہ لگتی ہوئی بات یہ ہے
رفع اليدين عند الركوع والقومة	کہ حضرت عمرؓ رکوع میں جانے اور سر اٹھانے کے
منه مستحبا فكان يفعل تارة	وقت ہاتھ اٹھانے (یعنی رفع الیدین) کو مستحب
ويتركه اخرى ازالة الخفاء ص۹۳ ج۲	خیال کرتے تھے اسی لئے کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے

یہی بات کہ مسئلہ کے دونوں اختلافی پہلو کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے بسم اللہ کے بآوازِ بلند و پست کے قصے میں درج کرنے کے بعد شاہ صاحب نے بھی اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے جس کا تفصیلی ذکر میں پہلے کر چکا ہوں یعنی قرآنی الفاظ میں قرأت اور تلفظ کے اختلافات کے ہر پہلو کو جائز اور کافی ٹھہراتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام میں اختلافات کے برداشت کرنے کی جو گنجائش پیدا کی تھی، اسی واقعہ کا ذکر شاہ صاحب نے بھی کیا ہے بسم اللہ والے اختلافی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

الاوجه عندی ان عمر تعلم	مرے خیال میں لگتی ہوئی بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ
من النبی صلی الله علیه وسلم	نے اس قصے میں جو ہشام بن حکم کے ساتھ پیش آیا
فی قصة مع هشام بن حکم	تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سیکھی
ان القرآن انزل علی سبعة احرف	تھی کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے سب ٹھیک
کلها کاف شاف ۔ مدا ج ۲	اور شفا بخش ہے۔

اس کے بعد پھر بسم اللہ کے متعلق حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والوں نے مختلف روایتیں جو نقل کی ہیں، سب ہی کی شاہ صاحب نے تصحیح کی ہے اور قرار دیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کو حضرت عمرؓ جائز سمجھتے تھے اسی لئے کبھی یہ کرتے تھے کبھی وہ کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے ایک اور واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عجیب بات لکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ صرف قرأتوں کے اختلافات ہی کی حد تک نہیں بلکہ قرآنی عبارت کے مطالب کے سمجھنے میں بھی دو مختلف نقاطِ نظر کی تصحیح کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی نظیر چھوڑی ہے یہ مسئلہ کافی دلچسپ مگر ذرا تفصیل طلب ہے خلاصہ یہ ہے کہ پانی کے نہ ملنے کی صورت میں بجائے وضوء کے تیمم کرکے نماز پڑھ لینی چاہئے یہ تو خیر اتفاقی مسئلہ ہے لیکن بجائے وضوء کے اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو، یعنی ناپاک اور جنب ہونے کے بعد کوئی نہانا چاہے اور پانی وقت پر نہ ملے تو بجائے غسل کے تیمم ہی کرکے نماز پڑھنے کے قابل اپنے آپ کو کیا بنا سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اب تو سارے ائمہ اجتہاد کی طرف سے اس کا جواب اثبات ہی میں دیاجا چکا ہے یعنی طے کر دیا گیا ہے کہ تیمم جیسے وضوء کا قائم مقام بن سکتا ہے اسی طرح غسل کی قائم مقامی کا کام بھی ضرورت کے وقت تیمم سے لیا جا سکتا ہے۔

لیکن تیمم کے مسئلہ کی جو تاریخ ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدا ر اسلام میں بعض لوگ تیمم کو صرف وضو ہی کا قائم مقام سمجھتے تھے اور غسل کے مسئلہ میں ان کا خیال تھا کہ

لا یتیمم الجنب وان لم یجد الماء شهراً جنب (یعنی ناپاک آدمی) تیمم نہ کرے خواہ مہینہ بھر بھی اسے پانی نہ ملے۔ بحوالہ ازالۃ الخفاء ج ۲

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود کا یہی خیال تھا، ان دونوں حضرات کے اس خیال کی بنیاد کیا تھی اس وقت اس کی تفصیل میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں اس موقعہ پر جو ایک عجیب و غریب نکتہ درج کیا ہے صرف اس کا ذکر مقصود ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ اس

---

۱ قصہ یہ ہے کہ ایک دن کوفہ میں ابو موسیٰ اشعری صحابی نے عبداللہ بن مسعود سے یہی مسئلہ پوچھا کہ بجائے غسل کے ناپاک آدمی کیا بضرورت تیمم نہیں کر سکتا اس پر عبداللہ نے کہا کہ ہاں! نہیں کر سکتا، خواہ پانی ایک مہینہ تک نہ ملے تب ابو موسیٰ نے قرآن کی آیت سورۂ مائدہ والی تلاوت کی جس میں دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اولمستم النساء (یعنی لگو تم عورتوں کو) فلم تجدوا ماءً (پھر نہ پاؤ تم پانی) فتیمموا صعیداً طیباً (پس تیمم کرو پاک مٹی کے ساتھ) جس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہم بستری میں ناپاک ہونے کے بعد پانی اگر کسی کو نہ ملے تو تیمم کرے۔ ابن مسعود بجائے اس بات کے کہ آیت کا جواب دیتے کہنے لگے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے گی تو معمولی سردی اور ٹھنڈک میں بھی لوگ بجائے غسل کے تیمم سے کام چلانے لگیں گے ابو موسیٰ نے کہا کہ اچھا تو تم لوگ تیمم کو جو ناپسند کرتے ہو اس کی وجہ یہ ہے؟ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں! تب حضرت ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو حضرت عمر اور حضرت عمار کے سفر کا واقعہ یاد دلایا جس میں عمرؓ اور عمار میں اسی مسئلہ پر اختلاف ہوا تھا۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ بجائے غسل کے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے مگر عمار کو وضو والا تیمم تو معلوم تھا لیکن غسل کی جگہ تیمم کرنے کی شکل کیا ہونی چاہئے اس کا علم ان کو نہ تھا، قیاس کر کے (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

مسئلہ میں یعنی تیمم غسل جنابت کا قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں ابتداءً اختلاف ایک سفر کے موقعہ پر حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان پیش آیا عمرو بن عاص نے قرآن کی آیت جو سورۃ مائدہ میں ہے اس کو پیش کر کے استدلال کیا کہ ضرورت کے وقت بجائے غسل کے تیمم کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دعویٰ کے ثبوت کے لئے ناکافی قرار دیا، دونوں میں بحث ہوئی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیال پر قائم رہا سفر سے واپس ہونے کے بعد مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا ہر ایک نے اپنا خیال اور خیال کی جو بنیاد تھی بارگاہ نبوت میں اسے عرض کیا روایت کو لوگوں نے جس طریقہ سے بیان کیا ہے جس کی حاشیہ میں تفصیل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار ہی کے خیال کی تائید کی، صرف غسل والے تیمم کے متعلق ان کا جو یہ خیال تھا کہ گرد میں لوٹ پوٹ کر پورے جسم پر گرد کا اثر پہنچانا چاہئے صرف اس کی ترمیم کردی گئی کہ وضو والے تیمم کی شکل غسل کے تیمم کے لئے بھی کافی ہے بظاہر چاہئے تو یہی تھا کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ اپنے خیال سے ہٹ کر عمار کے خیال کو مان لیتے لیکن حاشیہ والی روایت میں ابن مسعود نے جو یہ کہا کہ　　　　(باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انھوں نے زمین میں لوٹ لگائی گویا بجائے پانی کے خاک دھول سے انھوں نے غسل کیا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے قصہ جو پیش آیا تھا دہرا دیا گیا، آنحضرت نے عمار سے کہا کہ زمین میں لوٹ لگانے کی ضرورت نہ تھی صرف یہ کافی تھا یعنی اشارہ کر کے آپ نے بتایا کہ وضو والا تیمم جیسے کیا جاتا ہے بس یہی غسل کے لئے بھی کافی تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے عمار ہی کے خیال کی توثیق ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا خیال اگر صحیح ہوتا تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار سے کہتے کہ تم نے جو تیمم کیا وہی غلط تھا ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو بھی یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمار کے خیال کی توثیق کی تو اب غسل کا قائم مقام تیمم نہیں ہو سکتا اس خیال کی گنجائش ہی کیا باقی رہتی ہے ابن مسعود نے ابو موسیٰ کے اس بیان کو سن کر کہا کہ الم تر عمر لم یقنع بقول عمار (تم نے نہیں دیکھا کہ عمار کے قول پر حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا)